8

تم اپنے اندر سچائی پیدا کرو باقی خوبیاں تم میں آسانی سے پیدا ہو جائیں گی۔

(فرمودہ 14 مارچ 1952ء بمقام محمد آباد اسٹیٹ سندھ)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''دنیا میں سینکڑں ہی نیکیاں موجود ہیں اور بدیاں بھی سینکڑوں موجود ہیں۔ جس طرح بُوٹیاں اور بیج آپس میں مل کر نئی نئی شکلیں اختیار کرتے جاتے ہیں اِسی طرح انسانی اخلاق بھی آپس میں مل کر نئی نئی شکلیں اختیار کرتے چلے جاتے ہیں۔ جس طرح سبزیوں اور پھلوں میں سے بعض کڑوے بنتے چلے جاتے ہیں اور بعض میٹھے بنتے چلے جاتے ہیں اِسی طرح انسانی اخلاق میں سے کچھ بَد، تکلیف دِہ اور نقصان پہنچانے والے ہوتے ہیں اور کچھ اچھے اور انسان کے اندر اطمینان کی روح پیدا کرنے والے ہوتے ہیں۔ مگر کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو بنیادی ہوتی ہیں اور انسان کے اخلاق خواہ کتنے ہی بدل جائیں وہ قائم رہتی ہیں اور انسان کے ساتھ ہمیشہ لگی رہتی ہیں۔ وہ انہیں بھولتا نہیں۔ ان میں سے ایک خُلق صداقت ہے۔ یہ خُلق وہ ہے جس پر بہت سے اخلاق مبنی ہوتے ہیں۔ گویا بعض دفعہ یہ خُلق ماں اور باپ کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے اور باقی اخلاق اس سے پیدا ہو کر بڑھنے شروع ہو جاتے ہیں۔ لیکن عجیب بات ہے کہ جس طرح موت سب سے زیادہ یقینی چیز ہے لیکن سب سے زیادہ لوگ اسے بُھلاتے ہیں اِسی طرح باوجود ایک یقینی چیز ہونے کے لوگ سچائی کو بھول جاتے ہیں۔ جیسے آج تک کوئی انسان ایسا نہیں گزرا جو

فوت نہ ہوا ہو۔ مگر مسلمانوں نے یہ عقیدہ رکھنا شروع کر دیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ بیٹھے ہیں۔ حالانکہ ان کے باقی آباء واجداد بلکہ انبیاء واولیاء میں سے بھی ہمیں کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو پیدا ہوا ہو لیکن مرا نہ ہو۔ ایک غلط عقیدہ بنالینا اَور چیز ہے اور واقعہ اَور چیز ہے۔ واقعہ یہی ہے کہ ہر انسان جو پیدا ہوا مرا ہے۔ گویا موت ایک طبعی چیز ہے۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو چونکہ آپ کی بہت سی پیشگوئیاں ایسی تھیں جو ابھی بظاہر پوری نہیں ہوئی تھیں اس لئے حضرت عمرؓ نے خیال کیا کہ آپؐ کس طرح فوت ہو سکتے ہیں۔ وہ اپنے گھر سے باہر نکلے اور تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم محض وقتی طور پر آسمان پر گئے ہیں۔ اگر کسی نے یہ کہا کہ آپ فوت ہو گئے ہیں تو میں اُس کی گردن اُڑا دونگا۔1 یہ بات حضرت ابوبکرؓ تک پہنچی تو آپ باہر تشریف لائے اور سب صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ 2 محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک رسول تھے۔ اور آپ سے پہلے جو رسول گزرے وہ سب فوت ہو چکے ہیں۔ جب خدا تعالیٰ کا یہ قانون جاری ہے کہ ہر ایک شخص جو پیدا ہوا ہے مرے گا تو تمہارا رسول اس قانون سے کس طرح بچ سکتا ہے۔ پھر صرف یہی نہیں کہا کہ سارے رسول فوت ہو چکے ہیں بلکہ آگے فرمایا اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ 3 اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ فوت ہو جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم اپنا دین چھوڑ دو گے اور کیا آپ کے فوت ہو جانے سے تمہارا دین بدل جائے گا؟ مثلاً تم سب لوگ قریباً زمیندار طبقہ سے تعلق رکھتے ہو۔ ایک شخص تمہیں بتاتا ہے کہ اگر تم اس طرح ہل چلاؤ گے، اس طرح بیج ڈالو گے اور پھر اس طرح پانی دو گے تو تمہیں فائدہ ہوگا۔ پھر وہ شخص فوت ہو جائے تو کیا یہ قاعدہ بدل جائے گا؟ کیا اس کے مر جانے کی وجہ سے گندم بونے کی ضرورت نہیں رہے گی؟ یقیناً تم میں سے ہر شخص یہی کہے گا کہ اُس شخص کے مرنے سے یہ قاعدہ نہیں بدلے گا۔ اِسی طرح خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو جائیں تو کیا تمہارا دین بدل جائے گا؟ اصل سوال تو یہ ہے کہ جو کچھ خدا تعالیٰ نے فرمایا تھا کیا وہ سچ تھا؟ اور اگر خدا تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا تھا وہ سچ تھا تو آپ کے فوت ہو جانے سے وہ جھوٹ کیوں بن جائے گا۔ سچ سچ ہی رہے گا۔ راستیاں اور سچائیاں

نہ بدلنے والی چیزیں ہیں۔ ہاں بعد میں لوگ ان میں بعض چیزیں ملا بھی دیتے ہیں۔لیکن آہستہ آہستہ خدا تعالیٰ ایسے سامان پیدا کر دیتا ہے کہ بعد میں ملی ہوئی باتیں دُور ہو جاتی ہیں۔

پس صداقت ایک بنیادی چیز ہے اور اس میں سے اَور کئی اخلاق نکلتے ہیں۔کبھی وہ اخلاق صداقت سے دُور ہو جاتے ہیں تو بگڑ جاتے ہیں اور کبھی اُس سے قریب ہو جاتے ہیں تو اچھے ہو جاتے ہیں۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دفعہ ایک شخص آیا اور اُس نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ ! میں تین گناہوں میں مبتلا ہوں۔ میں نے انہیں چھوڑنے کی بہت کوشش کی ہے لیکن یہ گناہ مجھ سے چُھٹتے نہیں۔اور وہ گناہ جھوٹ، شراب پینا اور بدکاری کرنا ہیں۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مجھ سے ایک سودا کر لو۔ اور وہ سودا یہ ہے کہ تم ایک گناہ یعنی جھوٹ بولنا چھوڑ دو اللہ تعالیٰ چاہے گا تو تم باقی دو گناہوں سے بھی بچ جاؤ گے۔اس نے کہا یہ تو نہایت آسان بات ہے۔ایک گناہ میں چھوڑ دیتا ہوں۔چنانچہ اس نے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا۔ چند دن کے بعد وہ پھر واپس آیا۔اور اس نے عرض کیا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! میں نے ایک گناہ چھوڑا تھا باقی دونوں گناہ تو آپ ہی آپ چُھٹ گئے ہیں۔آپ نے فرمایا باقی دو گناہ کیسے چُھٹ گئے؟ اس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ ! میرا دل چاہا کہ شراب پیئوں۔مگر مسلمانوں کا ماحول تھا۔میں نے خیال کیا کہ اگر میں نے شراب پی تو مسلمان بُرا منائیں گے۔پھر خیال آیا کہ چوری چُھپے پی لوں۔لیکن پھر خیال آیا کہ اگر آپ نے پوچھ لیا کہ کیا تم نے شراب پی ہے؟ اور میں نے انکار کیا تو یہ جھوٹ ہوگا اور جھوٹ نہ بولنے کا وعدہ میں نے آپ سے کیا ہے۔اور اگر اقرار کر لیا تو اس کی سزا پاؤں گا۔چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ شراب نہیں پیئوں گا تا کہ میں جھوٹ سے بچا رہوں۔اِسی طرح بدکاری تھی۔چونکہ میں نے وعدہ کیا تھا کہ میں جھوٹ نہیں بولوں گا اس لیے اس کے نتیجہ میں مَیں نے بدکاری کو بھی چھوڑ دیا۔کیونکہ اگر میں بدکاری کرتا اور پھر انکار کر دیتا کہ میں نے ایسا نہیں کیا تو یہ جھوٹ ہوتا۔اور اگر اقرار کرتا تو اس کی سزا پاتا۔پس میں نے فیصلہ کیا کہ بدکاری بھی نہیں کروں گا تا آپ کے پاس جھوٹ نہ بولنا پڑے۔ [4]

پس سچائی ایک بنیادی چیز ہے اور اگر تم سچائی پر قائم رہو گے تو باقی بُری عادتیں آپ ہی آپ چُھٹ جائیں گی۔سچائی ایک اہم ترین چیز ہے اور انسانی قلب پر ایسی چوٹ لگاتی ہے کہ

سخت سے سخت دل بھی ہل جاتا ہے۔ پرانے زمانہ کا ایک واقعہ ہے کہ حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ ابھی بچے ہی تھے کہ ان کی والدہ نے انہیں اپنے بھائی کے پاس بھیجا جو ایک بہت بڑے تاجر تھے۔ آپ کی والدہ نے آپ کے گرم کپڑے میں (جو پرانا ہو جائے تو لوگ اُسے گدڑی کہتے ہیں) چند اشرفیاں سی دیں اور کہا کہ وہاں پہنچ کر یہ اشرفیاں نکلوا لینا۔ اتفاق کی بات ہے کہ جس قافلہ میں آپ جا رہے تھے اُس پر ڈاکہ پڑا اور ڈاکوؤں نے سب افراد کو لوٹ لیا۔ لیکن سید عبدالقادر جیلانیؒ کو بچہ سمجھ کر چھوڑ دیا اور یہ خیال کیا کہ اس کے پاس کیا ہوگا۔ لیکن ڈاکوؤں میں سے کسی نے اُن سے بھی پوچھ لیا کہ کیا تمہارے پاس بھی کچھ ہے؟ آپ نے کہا ہاں میرے پاس اتنی اشرفیاں ہیں۔ ڈاکو نے دریافت کیا وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ آپ نے گرم کپڑے کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ اشرفیاں اِس میں سی ہوئی ہیں۔ ڈاکوؤں کا سردار اُس ڈاکو پر جو آپ سے باتیں کر رہا تھا ناراض ہوا اور کہا اس بچہ کے پاس کیا ہوگا تم یونہی وقت ضائع کر رہے ہو اسے چھوڑ دو۔ لیکن اس نے کہا یہ کہتا ہے میرے پاس اتنی اشرفیاں ہیں۔ چنانچہ گدڑی کو پھاڑا گیا تو اس میں سے اشرفیاں نکل آئیں۔ سردار بہت حیران ہوا اور اُس نے سید عبدالقادر صاحب جیلانیؒ سے کہا کہ بیوقوف بچے! ہمیں پتا بھی نہیں تھا کہ تمہارے پاس کچھ ہوگا اس لئے ہم نے تمہیں چھوڑ دیا تھا تم چُپ کیوں نہ کر رہے تم نے یہ کیوں نے کہہ دیا کہ میرے پاس کچھ نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ بوجہ بچہ ہونے کے سچائی کی اہمیت کو نہ سمجھتے ہوں۔ لیکن وہ یہ ضرور جانتے تھے کہ ''ہے'' کو ''ہے'' ہی کہنا چاہیئے اور ''نہیں'' کو ''نہیں'' کہنا چاہیے۔ انہوں نے ڈاکوؤں کے سردار سے کہا جب میرے پاس اشرفیاں تھیں تو میں یہ کیوں کہتا کہ میرے پاس کچھ نہیں۔ آپ کی اِس بات کا سردار پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے آئندہ ڈاکہ ڈالنا چھوڑ دیا۔5 اس نے خیال کیا کہ ایک بچہ تو جھوٹ کو جھوٹ کہتا ہے اور سچ کو سچ کہتا ہے اور ایسا کہنے میں کوئی ڈر محسوس نہیں کرتا لیکن میں جو اتنا بڑا ہوں، ڈاکے ڈالتا ہوں اور جب حکومت پوچھتی ہے کہ کیا تم نے فلاں ڈاکہ ڈالا ہے؟ تو میں جھوٹ بول دیتا ہوں کہ میں تو اُس رات فلاں جگہ گیا ہوا تھا مجھے علم نہیں۔ چنانچہ آپ کے اِسی نمونہ کی وجہ سے یہ مثل مشہور ہوگئی کہ ''چوروں قطب بنایا'' کیونکہ بچپن میں ہی آپ کے منہ سے ایک ایسی بات نکلی جس کی وجہ سے ڈاکوؤں کے ایک سردار کی اصلاح ہوگئی۔

اِسی طرح ہماری جماعت میں بھی ایک واقعہ موجود ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر عیسائیوں کی طرف سے ایک مقدمہ چلایا گیا تھا۔ شروع شروع میں انگریز قانون کی پابندی کی عادت ڈالنے کے لئے بڑی سختی سے کام لیتے تھے۔ آپ نے ایک مضمون لکھا اور چھپوانے کے لئے ایک عیسائی کے پریس میں بھجوایا۔ اُس پریس سے آپ عموماً رسالے اور کتب شائع کروایا کرتے تھے۔ آپ نے اس مضمون کے ساتھ پیکٹ میں ایک رقعہ بھی ڈال دیا۔ آجکل تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا لیکن اُن دنوں اِس جرم کی سزا چھ ماہ قید یا پانچ صد روپے جرمانہ تھی۔ اگرچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس عیسائی کے بہت بڑے گاہک تھے لیکن چونکہ آپ عیسائیت کے خلاف لٹریچر شائع کروایا کرتے تھے اِس لئے اُسے آپ سے بُغض تھا۔ اس نے سپرنٹنڈنٹ ڈاک خانہ جات کے پاس رپورٹ کر دی۔ وہ بھی انگریز تھا اس نے عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ اس مقدمہ کا فیصلہ کرنے کے لئے بھی ایک انگریز افسر کا تقرر کیا گیا۔ آپ کی طرف سے جو وکیل مقرر کیا گیا تھا اُس نے کہا کہ مرزا صاحب آپ نے پیکٹ میں خط ڈالا تھا اور اس عیسائی نے پیکٹ کھولا ہے۔ اس بات کا کوئی اَور گواہ نہیں۔ اس لئے اگر آپ کہہ دیں کہ میں نے خط نہیں ڈالا تو مقدمہ ختم ہو جائے گا۔ اِس جُرم کے آپ خود ہی گواہ ہیں اور قانون مدعا علیہ کو آزادی دیتا ہے کہ وہ جس طرح چاہے عدالت میں بیان دے دے۔ آپ نے فرمایا جب یہ سچی بات ہے کہ میں نے پیکٹ میں رقعہ ڈالا تھا تو میں جھوٹ کیوں بولوں؟ وہ عیسائی بھی جانتا تھا کہ آپ جھوٹ نہیں بولیں گے اس لئے اس نے جج سے کہہ دیا تھا کہ آپ مرزا صاحب سے ہی پوچھ لیں یہ اس بات کا اقرار کر لیں گے کہ انہوں نے واقع میں پیکٹ میں رقعہ بند کر دیا تھا۔ اس کے اشارہ پر سپرنٹنڈنٹ صاحب ڈاک خانہ جات نے بھی کہہ دیا کہ مدعا علیہ سے ہی پوچھ لیا جائے کہ کیا اس نے پیکٹ میں رقعہ بند نہیں کیا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں میں نے رقعہ ضرور ڈالا ہے لیکن وہ رُقعہ اس رسالے کے متعلق تھا اور اس کی چھپوائی کے متعلق بعض ہدایات دی گئی تھیں، کوئی الگ خط نہیں تھا اور مجھے علم نہیں تھا کہ ایسا کرنا جُرم ہے۔ اِس پر بحث شروع ہو گئی اور سپرنٹنڈنٹ ڈاک خانہ جات نے کہا کہ یہ لوگ قانون شکنی کے عادی ہیں اسے ضرور سزا دی جائے۔ جج بھی انگریز تھا، سپرنٹنڈنٹ ڈاک خانہ جات بھی انگریز تھا اور رپورٹ کرنے والا بھی انگریز تھا۔

اور یہ سب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عیسائیت کا مقابلہ کرنے کی وجہ سے بُغض رکھتے تھے۔ لیکن پھر بھی باوجود سپرنٹنڈنٹ ڈاک خانہ جات کے زور دینے کے مجسٹریٹ نے کہا جس شخص نے عدالت میں سچ بولا ہے میں اُسے کوئی سزا نہیں دوں گا۔ چنانچہ اس نے آپ کو بَری کر دیا۔ اس نے کہا یہ خود ہی گواہ تھے لیکن پھر بھی اقرار کر رہے ہیں۔ اس سے زیادہ نیک نیتی اور کیا ہوگی۔ میں انہیں سزا نہیں دوں گا۔

پس سچائی ہمیشہ دل کو موہ لیتی ہے اور یہ عظیم الشان نیکیوں میں سے ہے۔ لیکن جس طرح لوگ موت کو بھول جاتے ہیں اسی طرح اسے بھی بھول جاتے ہیں باوجود اس کے کہ یہ ایک یقینی چیز ہے۔ آخر سچائی کس چیز کا نام ہے؟ سچائی میں تمہیں کوئی یہ نہیں کہتا کہ پہاڑ کُود و، دریا پار کرو، رات دن ورزش کرو یا فلاں کتاب پڑھتے رہو۔ سچائی نام ہے اِس چیز کا کہ تم ''ہے'' کو ہے کہہ دو اور ''نہیں'' کو نہیں کہہ دو۔ مثلاً ایک دیوار ہے۔ سچائی کہتی ہے کہ جب تم سے کوئی پوچھے کہ یہ کیا چیز ہے؟ تو تم کہہ دو یہ دیوار ہے۔ اس میں نہ سائنس پڑھنے کی ضرورت ہے، نہ کسی غور وفکر کی ضرورت ہے اور نہ کسی محنت کی ضرورت ہے۔ مثلاً کپڑا ہے۔ تمہارے پاس کوئی شخص آئے اور دریافت کرے کہ یہ کیا ہے؟ تو تم کہہ دو یہ کپڑا ہے۔ یا وہ کہے کہ یہ روشنی کس کی ہے؟ تو تم کہہ دو یہ روشنی سورج کی ہے۔ اور یہ بات ہر چھوٹا اور بڑا، جوان اور بوڑھا، عالم اور جاہل کہہ سکتا ہے اس میں کسی محنت کی ضرورت نہیں لیکن پھر بھی لوگ سچائی سے بھاگتے ہیں۔ تم اکثر لوگ ایسے دیکھو گے جو کسی وجہ سے یا بلا وجہ سچ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اب دیکھنے والی بات یہ ہے کہ صاف بات کیوں پوشیدہ ہو جاتی ہے اور جھوٹ کہاں سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر اس چیز پر غور کیا جائے اور وقت پر اصلاح کر لی جائے تو یہ نقص دور ہو سکتا ہے۔

شروع میں جھوٹ بچوں میں آتا ہے اور ماں باپ کے ذریعہ آتا ہے۔ مثلاً بچہ لیٹا ہوا ہوتا ہے، اُس کی آنکھیں کھلی ہوتی ہیں۔ اٹھنا بیٹھنا اُسے آتا نہیں۔ ماں باپ سمجھتے ہیں کہ یہ کچھ سمجھتا نہیں۔ وہ ماں کو دیکھ کر روتا ہے تو باپ ماں سے کہتا ہے تم اس کی نظر سے اوجھل ہو جاؤ تو یہ چُپ کر جائے گا۔ بچہ جانتا ہے کہ فلاں عورت میری ماں ہے اور وہ اب چُھپ گئی ہے وہ چُپ کر جاتا ہے۔ لیکن دراصل یہ جھوٹ ہوتا ہے اور ''ہے'' کو ''نہیں'' کہہ دیا جاتا ہے۔ اور بچہ سمجھتا ہے کہ

''ہے'' کو''نہیں'' کہہ دینا اور''نہیں'' کو''ہے'' کہہ دینا بھی ایک فن ہے۔ پھر جب بچہ بڑا ہو جاتا ہے اور چلنے پھرنے لگ جاتا ہے تو ماں باپ سمجھتے ہیں کہ فلاں چیز کھانے سے بچہ کو بدہضمی ہو جائے گی اس لئے وہ پلیٹ چُھپا لیتے ہیں اور کہتے ہیں وہ چیز ختم ہو گئی۔ حالانکہ وہ الماری، صندوق یا باورچی خانہ میں پڑی ہوئی ہوتی ہے۔ بچہ جانتا ہے کہ وہ چیز چُھپا لی گئی ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ بھی ایک فن ہے کہ''ہے'' کو''نہیں'' اور''نہیں'' کو''ہے'' کہہ دیا جائے۔ یا مثلاً ماں باہر گئی ہوتی ہے، بچہ روتا ہے تو بہن بھائی اُس کا دل بہلانے کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ امّاں آ رہی ہے۔ لیکن یہ بات واقعہ کے خلاف ہوتی ہے۔ بچہ جانتا ہے کہ یہ بات درست نہیں اور سمجھتا ہے کہ یہ بھی ایک عمدہ ترکیب ہے کہ''ہے'' کو''نہیں'' کہہ دیا جائے اور''نہیں'' کو ''ہے'' کہہ دیا جائے۔ پھر مذاق شروع ہو جاتا ہے۔ ماں باپ یا بہن بھائی مذاقاً''ہے'' کو ''نہیں'' اور''نہیں'' کو''ہے'' کہہ دیتے ہیں اور بچہ سمجھتا ہے کہ ضرورتاً''ہے'' کو''نہیں'' اور ''نہیں'' کو''ہے'' کہا جا سکتا ہے۔ تم اسے گھوڑا دیتے ہو اور پوچھتے ہو یہ کیا ہے؟ تو وہ کہتا ہے یہ گھوڑا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ یہ اصلی گھوڑا نہیں لیکن تم اس سے''نہیں'' کو''ہے'' کہلوا رہے ہو۔ پس ماں باپ بچہ کو جھوٹ کی تربیت دیتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح وقت گزر جائے گا یا بچہ رو رہا ہے تو اُس کا دل بہل جائے گا۔ لیکن بچہ کے دماغ میں گو لفظی طور پر جھوٹ نہیں آتا مگر وہ یہ سمجھتا ضرور ہے کہ تم نے''نہیں'' کو''ہے'' اور''ہے'' کو''نہیں'' کہہ دیا ہے اور بڑے ہو کر اسے جھوٹ کی عادت ہو جاتی ہے۔ اور جب وہ سمجھتا ہے کہ جھوٹ بولنے سے عارضی فائدہ ہو جاتا ہے تو وہ جھوٹ بولنے لگ جاتا ہے۔

پھر غصہ، لالچ، محبت اور خوف بھی جھوٹ میں مُمِد ہو جاتے ہیں۔ غصہ کی حالت میں جب انسان یہ دیکھتا ہے کہ اُس کا دشمن طاقتور ہے اور وہ اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تو وہ کہہ دیتا ہے یہ جھوٹ بولتا ہے۔ یا وہ کسی پر افترا کرتا ہے اور اسے گورنمنٹ پکڑ لیتی ہے تو وہ کہتا ہے میں نے تو ایسا نہیں کیا۔ اسی طرح لالچ ہے۔ انسان جب یہ دیکھتا ہے کہ فلاں چیز بڑی عمدہ ہے اور وہ چاہتا ہے کہ کاش! وہ چیز میرے پاس ہو لیکن وہ اسے حاصل نہیں کر سکتا تو عدالت میں جا کر جھوٹ بول دیتا ہے اور کہہ دیتا ہے کہ یہ چیز میری ہے۔ فلاں شخص نے زبردستی مجھ سے چھین لی ہے۔ حالانکہ

وہ خوب سمجھتا ہے کہ وہ چیز اُس کی نہیں ۔لیکن چونکہ بچپن میں اُس نے یہ گُر سیکھ لیا ہوتا ہے کہ جھوٹ سے عارضی فائدہ ہو جاتا ہے اس لئے وہ جھوٹ بول دیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں بالکل اُسی طرح کہہ رہا ہوں جس طرح میری ماں کہیں باہر گئی ہوتی تھی اور بہن بھائی میرا دل بہلانے کے لئے کہہ دیتے تھے کہ وہ اماں آ گئی ۔اگر ماں باپ کوئی چیز میرے لئے مُضِر سمجھتے تھے تو اُسے چھپا لیتے تھے لیکن مجھے چُپ کرانے کے لئے کہہ دیتے تھے کہ وہ چیز ختم ہوگئی ہے ۔ پھر محبت ہے ۔محبت کا جذبہ بھی جب جوش میں آتا ہے تو انسان بعض اوقات جھوٹ بول جاتا ہے ۔ اِسی طرح خوف ہے ۔خوف کی وجہ سے بھی انسان بعض اوقات سچائی کو ترک کر دیتا ہے اور جھوٹ بول دیتا ہے ۔ اگر جھوٹ کو نکال دیا جائے تو دنیا اتنی خوبصورت بن جاتی ہے کہ اس کی حد نہیں رہتی ۔ میں جب دورہ پر آتا ہوں تو لوگ کئی تنازعات میرے پاس لے آتے ہیں ۔ میں انہیں کہتا ہوں کہ یہ تنازعات انجمن میں لے جاؤ ۔لیکن پھر بھی وہ رقعے دیتے جاتے ہیں اور فریقین میں سے ایک فریق ضرور جانتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے ۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے فلاں نے میرے اتنے روپے دینے ہیں لیکن وہ دیتا نہیں ۔تو یہ ایسی بات نہیں کہ اس کے لئے اجتہاد میں غلطی ہوگئی ہو ۔یا تو مدعی جھوٹ بول رہا ہوتا ہے کہ فلاں شخص نے میرے اتنے روپے دینے ہیں حالانکہ اس نے روپے دینے نہیں ہوتے اور یا پھر مدعا علیہ نے روپے دینے ہوتے ہیں لیکن وہ جھوٹ بول دیتا ہے کہ میں نے اس کے روپے نہیں دینے ۔ بہرحال دونوں میں سے ایک فریق ضرور جھوٹا ہوتا ہے ۔ اگر لوگ سچائی سے کام لیں تو سارے جھگڑے ختم ہو جائیں ۔ یورپ میں ڈپلومیسی (DIPLOMACY) کے باوجود سچائی کا وصف پایا جاتا ہے ۔سَو میں سے پندرہ آدمی ایسے ہوں گے جو جھوٹ بولیں گے ۔ باقی عدالت میں صاف طور پر کہہ دیں گے کہ مدعی کا بیان سچا ہے اور جج فیصلہ کر دے گا ۔لیکن سچائی کو ترک کر دینے سے معاملہ پیچیدہ ہوتا جائے گا ۔ پھر جس کے خلاف جھوٹ بولا جاتا ہے اُس کے دل میں بدظنی پیدا ہو جاتی ہے اور آہستہ آہستہ وہ سمجھنے لگ جاتا ہے کہ سب لوگ بُرے ہیں ۔قصور ایک شخص نے کیا ہوتا ہے لیکن وہ سمجھتا ہے کہ سارے لوگ ہی ایسے ہیں ۔اور جو شخص یہ سمجھے گا کہ ساری دنیا گندی ہے وہ خود بھی گندا ہو جائے گا ۔عیسائیت کو دیکھ لو ۔عیسائیت کہتی ہے بدی ایک فطری چیز ہے ۔اس لئے کوئی عیسائی نیک بننے کی کوشش نہیں

کرسکتا۔ اتفاقاً کوئی عیسائی نیک بن جائے تو یہ اَور بات ہے ورنہ موجودہ عیسائیت کسی کو نیک نہیں بناتی۔ کیونکہ وہ کہتی ہے کہ بدی ایک فطرتی چیز ہے۔ اور جو شخص فطرتاً گندا ہے وہ نیک کس طرح بن سکتا ہے۔ ہاں جس عیسائی نے اپنے مذہب پر غور نہ کیا ہو اور اُس کی غیرت سلامت ہو تو وہ باوجود عیسائیت کے نیک ہو جائے گا۔ لیکن اُس کا نیک ہونا بوجہ عیسائیت کے نہیں ہوگا۔

پس تم سچائی کو اختیار کرو۔ تمہارے اندر اگر کوئی افسر ہے اور اس نے واقع میں اگر کسی سے کچھ وعدہ کیا ہے تو اس میں حرج ہی کیا ہے کہ وہ کہہ دے کہ میں نے فلاں سے یہ وعدہ کیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے سارے ماتحت یہ کہیں گے کہ اس سے غلطی ہوگئی ہے۔ اگر اس سے غلطی ہوگئی ہے تو کیا بات ہے۔ لیکن جب وہ جھوٹ بولتا ہے تو ماتحت کہتا ہے کہ میں اسے ذلیل کر کے چھوڑوں گا۔ اِسی طرح ہزار ہا اَور دوسرے کارکن بھی سچائی کو معیار قرار دے لیں تو اِس کا اتنا اثر ہوگا کہ ہزار ہا لوگ صداقت کی طرف مائل ہو جائیں گے۔

میں نے بارہا سنایا ہے کہ جھنگ کے ایک دوست مغلہ نامی احمدی ہوگئے۔ اتفاق سے وہ ربوہ کے قریب کے علاقہ کے ہی ہیں۔ جب وہ احمدی ہوئے تو انہیں بتایا گیا کہ ہمیشہ سچ بولا کرو۔ اس پر انہوں نے جھوٹ بولنا ترک کر دیا۔ ان کی قوم چور تھی اور دشمن کے جانور چُرا لینا فخر کی بات سمجھتی تھی۔ مغلہ کے بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں کو جب یہ پتا لگا کہ وہ احمدی ہوگیا ہے تو انہوں نے اس کے ساتھ کھانا پینا ترک کر دیا اور کہا کہ تم کافر ہوگئے ہو اور ادھر لوگوں کو یہ پتا لگا کہ مغلہ سچ بولنے لگ گیا ہے۔ جب اُس کے بھائی کسی کے جانور چُرا کر لاتے اور لوگ اکٹھے ہو جاتے تو وہ کہتے ہم قرآن اٹھا لیتے ہیں کہ ہم نے تمہارا مال نہیں چُرایا۔ لیکن وہ کہتے تمہاری قسم پر ہمیں اعتبار نہیں۔ مغلہ اگر کہہ دے کہ تم نے ہمارا مال نہیں چُرایا تو ہم مان لیں گے۔ بھینسیں گھر میں آئی ہوئی ہوتی تھیں۔ وہ مغلے کی آنکھوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھیں۔ جب اُن سے گواہی لی جاتی تو وہ کہہ دیتے کیا تم بھینسیں چُرا کر نہیں لائے؟ بعض اوقات اُن کے بھائی انہیں مارتے اور اتنا مارتے کہ انہیں یقین ہو جاتا کہ اب مغلہ ان کے حق میں گواہی دے دے گا۔ چنانچہ وہ اُسے باہر لاتے اور کہتے کیوں مغلے کیا ہم نے ان کی بھینسیں چُرائی ہیں؟ وہ کہہ دیتے کہ جب تم نے بھینسیں چُرائی ہیں تو میں کس طرح کہوں کہ تم نے بھینسیں نہیں چُرائیں۔

انہوں نے مجھے خود بتایا کہ میں شروع میں بہانہ بنا دیا کرتا تھا کہ میں تو کافر ہوں اور کافر کی گواہی کا اعتبار ہی کیا۔ لیکن وہ کہتے کہ تم کافر تو ہو لیکن تم سچ بولتے ہو۔ اِس کا اتنا اثر ہوا کہ سارا علاقہ یہ کہنے لگ گیا کہ احمدی کافر ہوتے ہیں لیکن سچ بولتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ مزیدار اور کیا چیز ہوگی کہ کوئی کہے تم کافر ہو لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق ہو۔ تم کافر ہو لیکن خدا تعالیٰ کے سچے عاشق ہو۔ تم کافر ہو لیکن دین کے سچے خادم ہو۔ اور بڑھتے بڑھتے یہ چیز اس حد تک چلی جائے گی کہ دشمن کی اولاد کہے گی یہ کافر کیسے ہو سکتے ہیں۔ یہ تو خدا اور اس کے رسول کے سچے عاشق ہیں۔ ان کے ماں باپ بے شک تمہیں کافر کہتے جائیں لیکن جب تم اپنا نمونہ پیش کرو گے تو ان میں سے ہر ایک یہ ماننے لگ جائے گا کہ تم کچھ اَور بن گئے ہو۔ پس تم اپنے اندر سچائی پیدا کرو پھر باقی خوبیاں تم میں آسانی سے پیدا ہو جائیں گی۔

(الفضل 9/اگست 1961ء)

1: اسد الغابة جلد 3 صفحہ 221۔ مطبوعہ ریاض 1286ھ

2: آل عمران: 145۔ بخاری کتاب المغازی باب مَرَض النَّبِیّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ وَ وَفَاتِهٖ

3: آل عمران: 145

4: تفسیر کبیر امام رازی، سورہ التوبہ 119: (یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ

5: تربية الاولاد فی الاسلام، الجزء الاول صفحہ 175 بیروت 1981ء